برصغیر کے مسلمانوں کی اصلاح اور فکری بیداری میں حالی کا کردار

Md. Habibullah Muskan
Researcher, Department of Urdu, University of Dhaka, Bangladesh

Abstract: The decline that overtook Indian Muslims after the collapse of the Mughal Empire and the unsuccessful revolt of 1857 marked a decisive moment in the history of South Asia. Political marginalization, cultural inertia and a growing intellectual vacuum created conditions in which reformist thinkers became indispensable. In this troubled period, Altaf Husain Hali (1837-1914) emerged as one of the most influential voices advocating moral and intellectual renewal. Closely associated with Sir Syed Ahmad Khan and the wider Aligarh Movement, Hali used poetry and prose as practical instruments for awakening communal consciousness and guiding Muslims towards balanced religious

understanding, social reform and modern education. His celebrated work, Musaddas-e-Hali, not only recounts the rise and fall of Islamic civilization but also serves as a pointed reminder that progress requires discipline, unity and a willingness to abandon outdated and unproductive attitudes.

This article explores Hali's reformist project from several angles: his diagnosis of Muslim decline; his emphasis on ethical and educational uplift; his advocacy of women's rights in writings such as Majalis-un-Nissa, Chup ki Daad, and Munaajat-e-Bewah and his efforts to recast Urdu literature as a vehicle of national service. The discussion also considers his association with Anjuman-e-Punjab (The Punjab Literary Society) and his evolution from a conventional ghazal poet to a major architect of modern Urdu poetry. The study shows that Hali's impact reached far beyond literature. His ideas encouraged self-reflection, promoted communal harmony and helped prepare the intellectual foundations for later reform and nationalist movements. Ultimately, Hali's enduring significance lies in his ability to offer a coherent vision for the moral

and intellectual revival of Indian Muslims, making him one of the defining reformers of the nineteenth century.

Keywords: Altaf Husain Hali, Muslim Reform in India, Intellectual Awakening, Aligarh Movement, Urdu Literary Modernism, Social and Moral Reform, Educational Reform, Women's Rights in Urdu Literature

.....

مغلیہ سلطنت کے زوال اور ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے بعد ہندوستانیوں خصوصا امت مسلمہ پر شاید قہر سا برسنے لگا تھا۔ ادھر عثمانی خلافت کا چراغ بھی ٹمٹما رہا تھا اور مسلمانوں کی تہذیب و تمدن پر کالی گھٹا چھانے لگی۔ ہندوستان جو کہ مغلیہ دور میں اپنی مثال آپ تھا انگریزوں کے دور حکومت میں اسے سیاسی اور سماجی پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ عوام کی ذہنیت دھیرے دھیرے بد سے بدتر ہوتی گئی۔ انگریزوں کی مخالفت میں انہوں نے کب جدیدیت کے مثبت پہلوؤں کی مخالفت کر دی اس کا اندازہ انہیں بھی نہیں تھا۔ جس کا خمیازہ آگے چل کر کئی نسلوں کو اٹھانا پڑا۔ صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ ہندوؤں میں تیزی سے توہم پرستی کا رجحان فروغ پانے لگا اور یوں ہندوستانیوں کو پستی اور جہالت نے اپنے احاطے میں داخل کر لیا۔ لیکن اس دور میں چند ایسے وطن پرست، انسان دوست اور دین اسلام سے رغبت رکھنے والی شخصیات موجود تھیں جنہوں نے آگے چل کر برصغیر کے لوگوں خصوصا مسلمانوں کو بیدار کیا۔ ان میں اردو ادب کے عناصر خمسہ قابل ذکر ہیں۔ سر سید احمد خان (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء) اور ان کے رفقا نے جس جدوجہد کا آغاز کیا تھا اس نے آگے چل کر ہندوستانیوں میں ان اصلاحی پروگرام کے زیر اثر بے پناہ شعور بیدار کیا اور یوں ۱۹۴۷ء میں مکمل طور پر ہمیں انگریزوں سے آزادی مل گئی۔

سر سید کے ان رفقاء کو اگر ایک فہرست میں جگہ دی جائے تو اکثر و بیشتر محققین کے نزدیک مولانا الطاف حسین حالیؔ (۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء) کا نام اول نمبر پر آئے گا۔ وہ بیک وقت ایک شاعر، نثر نگار اور مصلح قوم و ملت تھے۔ انہوں نے اپنی حیات میں ہر ممکن کوشش کی تھی کہ کسی طرح مسلمانوں کو ان کی قدیم شان و شوکت کی یاد دلائی جائے اور ان میں غیرت و بیداری کا عنصر پیدا ہو سکے۔ مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے انہوں نے ایک نعرہ بلند کیا تھا جو آج بھی کافی مشہور ہے:

سدا ایک ہی رخ ناؤ نہیں چلتی
چلو ادھر کو ہوا ہو جدھر کو[i]

حالیؔ ۱۸۳۷ء میں بمقام پانی پت کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان میں بڑے بڑے بزرگان دین اور صوفیاء گزرے ہیں۔ ان کا شجرہ نصب صحابی رسول حضرت ابو ایوب انصاری سے جا ملتا ہے۔ ان کا اصلی نام الطاف حسین اور حالیؔ ان کا تخلص تھا۔ غالب کے مشورہ پر انہوں نے اس تخلص کا استعمال کیا تھا۔ اس سے پہلے وہ خستہ تخلص کرتے تھے۔ جب ان کی عمر محض نو برس کی تھی تو ان کے والد خواجہ ایزد بخش انصاری کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد ان کی کفالت کی ذمہ داری ان کے بڑے بھائی خواجہ امداد حسین کے ہاتھوں سپرد ہوئی۔ حالیؔ نے اپنے لڑکپن میں ہی قرآن کریم کا حفظ کر لیا تھا۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے وہ دہلی چلے آئے۔ انہوں نے عربی کے لیے مولوی نوازش علی اور شعر و ادب کے لیے غالب کی شاگردی اختیار کی۔ ۱۸۵۶ء میں ضلع حصار میں کلیکٹر کے دفتر میں ان کا تقرر ہوا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد حالیؔ جہانگیر آباد میں شیفتہ کے پاس چلے گئے اور ان سے شعر و شاعری کی اصلاح لینے لگے۔ نواب مصطفی خان شیفتہ کا شمار اس دور میں اعلی پایہ کے شاعروں اور رئیسوں میں ہوتا تھا۔ حالیؔ کے قول کے مطابق وہ اپنی ادبی زندگی میں دو شخصیات سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ ایک تو ان کے عزیز استاد

غالب تھے، جن سے انہوں نے خیالات میں وسعت اور فلسفیانہ رجحان کا درس حاصل کیا۔ اور دوسرے شیفتہ جن سے انہوں نے ان کٹھن فلسفیانہ افکار کو بڑی آسانی سے ادا کرنے کا انداز سیکھا۔ جیسا کہ حالیؔ خود کہتے ہیں:

حالیؔ سخن میں شیفتہ سے مستفیض ہوں
شاگرد میرزا کا، معتقد ہوں میر کا[ii]

حالیؔ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں رام بابو سکسینہ فرماتے ہیں:

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ انصاریوں کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ننیہال سادات کے ایک معزز گھرانے میں تھی اور پدری سلسلہ ان کا ایک بزرگ خواجہ ملک علی تک پہنچتا ہے۔ جو اپنے وقت کے ایک مشہور و معروف عالم تھے۔ اور زمانہ غیاث الدین بلبن ہرات سے ہندوستان آئے تھے۔[iii]

مولانا الطاف حسین حالیؔ (۱۸۳۷ء - ۱۹۱۴ء) کا شمار برصغیر کی ان ہستیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے امت مسلمہ کو فکری راہ دکھائی، اپنی عظمت رفتہ سے آگاہ کیا اور ادب میں نئے نئے زاویے تراشے۔ ان سے پہلے بھی اگرچہ باقیوں نے ادب و صحافت کے ذریعہ مسلمانوں میں اصلاح اور ذہنی بیداری پیدا کرنے کی کوشیش کی، مگر ان کی طرح کسی کی کوششیں کارگر ثابت نہ ہوئیں۔ خود علی گڑھ تحریک کے بانی سر سید احمد خان (۱۸۱۷ء-۱۸۱۹۸ء) انہیں اپنا اول درجہ کا سفیر اور ان کی مسدس کو آخرت کے لئے ذریعہ نجات تصور کرتے ہیں۔ مہاتما گاندھی اور بابائے اردو مولوی عبدالحق جیسی شخصیتیں ان کی تعریفوں کے پل باندھتی ہیں۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

مولانا حالی کی سیرت میں دو ممتاز خصوصیتیں تھیں۔ ایک سادگی دوسری درد دل۔ اور یہی شان ان کے کلام میں ہے ان کی سیرت اور ان کا کلام ایک ہے یا یوں سمجھئے کہ ایک دوسرے کا عکس ہیں۔ مجھے اپنے زمانے کے بعض

نامور اصحاب سے اور اپنی قوم کے اکثر بڑے بڑے شخصیتوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ لیکن مولانا حالی جیسے پاک سیرت اور خصائل کا بزرگ مجھے ابھی تک کوئی نہیں ملا۔[iv]

ویسے تو حالیؔ مختلف النوع شخصیت کے حامل تھے۔ لیکن ان کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بڑے پیمانے پر خدمت گار قوم و ملت اور ماہر ادیب تھے۔ مسلمانوں کی زندگی ان کی شخصیت اور فن دونوں سے متاثر ہوئی ہے۔ حالیؔ نے جس درد مندی اور خلوص نیت کے ساتھ اسلامی قدروں کو اپنے فکر و فن کا محور بنایا ہے اسے اردو کے بہت کم شاعروں نے اپنے کلام میں ڈھالہ ہے۔ پرانی غزلوں کو چھوڑ کر ان کی شاعری کا شاید ہی کوئی جزو ہو جس میں آن حضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت اور پیغام کا عکس صاف نظر نہ آئے۔[v]

حالیؔ کی شاعری کا مطالعہ کریں تو ہم ان میں تین طرح کے رجحانات دیکھ سکتے ہیں۔ ان کا پہلا ادبی دور ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۹ء پر مشتمل ہے۔ جس میں انہوں نے عام شاعروں کی طرح غزلیں لکھیں۔ مگر ان کی شہرت کا اصل راز ان کے دوسرے اور تیسرے دور میں مضمر ہے۔ دوسرا دور ۱۸۷۰ء سے ۱۸۷۵ء پر مشتمل ہے۔ اس میں انہوں نے جدت پسندی اختیار کی اور حب وطن اور انسانیت کے مختلف موضوعات پر اشعار لکھے۔ ان کا تیسر اور آخری ادبی دور ۱۸۷۵ء سے ۱۹۱۲ء تک قرار پاتا ہے۔ جہاں انہوں نے رباعیات اور مسدس لکھ کر اسلامی نظریات کو فروغ دیا اور مسلمانان ہند کو گہری نیند کی چپیٹ سے جگانے کی کوشش کی۔ حالیؔ اپنے کلام کے محاسن کی قدر و قیمت اور گوہر نایاب سے ابھی پوری طرح واقف نہیں تھے۔ اس وقت مرزا اسد اللہ خان غالب نے ان کی پوشیدہ قابلیت کو پہچان لیا تھا۔ غالب نے ایک ایسے چراغ کو اپنی نگاہ دور رس سے بھانپ لیا تھا جو مستقبل قریب میں روشن ہونے والا اور اپنے آب و تاب سے نظام ادب میں ایک نئی روش کی بنیاد رکھنے والا ہو۔ حالیؔ اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں:

جس زمانے میں میرا دلی جانا ہوا تھا مرزا اسد اللہ خان غالب مرحوم کی خدمت میں اکثر جانے کا اتفاق ہوتا تھا اور اکثر ان کے اردو اور فارسی دیوان کے اشعار سمجھ میں نہ آتے تھے ان کے معنی ان سے پوچھا کرتا تھا۔ اور چند فارسی قصیدے انھوں نے اپنے دیوان سے مجھے پڑھائے بھی تھے۔

ان کی عادت تھی کہ وہ اپنے ملنے والوں کو اکثر فکر شعر کرنے سے منع کیا کرتے تھے۔ مگر میں نے جو ایک آدھ غزل اردو یا فارسی کی لکھ کر ان کو دکھائی تو انھوں نے مجھ سے یہ کہا کہ:

"اگرچہ میں کسی کو فکر شعر کی اصلاح نہیں دیا کرتا لیکن تمہاری نسبت میرا یہ خیال ہے کہ اگر تم شعر نہ کہو گے تو اپنی طبیعت پر سخت ظلم کرو گے۔"

مگر اس زمانے میں ایک دو غزل سے زیادہ دلی میں شعر لکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔[vi]

انیسویں صدی میں جب اسلامی تہذیب و تمدن مغرب کی ناپاکی اور عریانی سے دو چار ہو رہی تھی تو ایک مخلص امتی اور وحدانیت پرست کی حیثیت سے حالیؔ کا دل پاش پاش ہو گیا۔ وہ باقیوں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہ رہے۔ بلکہ سب سے پہلے اپنے شدید غم کا اظہار کیا، امت مسلمہ کو اپنی تابناک ماضی کی یاد دلانے کی کوشش کی اور چاہا کہ مسلمانوں میں ایک دفعہ پھر وہی دبدبہ اور اخلاقیات قائم ہو جو کہ کبھی خلافت راشدہ کے دوران موجود ہوا کرتی تھی۔ انہوں نے ہمیشہ نبوی تعلیم اور تہذیب کو سچا جانا اور مغربی تہذیب و تمدن کے منفی پہلوؤں کی مذمت کی۔ جس کا اظہار وہ مسدس حالی یعنی 'مد و جزر اسلام' نظم میں کچھ اس انداز میں کرتے ہیں:

وہ قومیں جو ہیں آج غمخوار انساں درندوں کی اور ان کی طینت تھی یکساں
جہاں عدل کے آج جاری ہیں فرماں بہت دور پہنچا تھا واں ظلم و طغیاں
بنے آج جو گلہ باں ہیں ہمارے وہ تھے بھیڑیئے آدمی خوار سارے[vii]

مسدس اس نظم کو کہتے ہیں جس میں چھ چھ مصرعے کا بند ہوتا ہے۔ ہر بند کے چار مصرعے متحد القوافی ہوتے ہیں۔ اور باقی دو مصرعے جداگانہ کافیوں میں ہوتے ہیں۔[viii] مسدس حالی میں مولانا الطاف حسین حالیؔ (۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء) نے اسلام کے عروج وزوال کی داستان کو بڑے دردناک اور دل نشیں پرائے میں بیان کیا ہے۔ اس نظم کا اصلی نام مدوجزر اسلام ہے جو ۴۵۶ بند پر مشتمل ہے۔ ہر ایک بند مسدس کے انداز میں لکھنے کی وجہ سے یہ مسدس حالی کے نام سے مشہور ہوا۔ یہاں وہ مسلمانوں کی پست ذہنیت اور نامرادی و ناکامی کا ذکر کرتے ہیں۔ اس مسدس میں حالیؔ نے مسلمانوں کی قدیم ناموری، شان و شوکت اور ایک طویل مدت کے بعد زوال اور زبوں حالیؔ کا تفصیل سے بیان کیا ہے۔ آخر میں ان کی فریاد بھی موجود ہے کہ کس طرح ہم ان کٹھنائیوں سے نجات پاسکتے ہیں۔ حالیؔ نے مسدس کے دیباچے میں اس کی بنیادی پہلوؤں کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

اس مسدس کے آغاز میں پانچ سات بند تمہید کے لکھ کر اول عرب کی اس ابتر حالت کا خاکہ کھینچا ہے جو ظہور اسلام سے پہلے تھی اور جس کا نام اسلام کی زبان میں جاہلیت رکھا گیا۔ پھر کوکب اسلام کا طلوع ہونا اور نبی امی کی تعلیم سے اس ریگستان کا دفعتہ سرسبز وشاداب ہو جانا اور اس آب رحمت سے امت کی کھیتی کو رحلت کے وقت ہرا بھرا چھوڑ جانا اور مسلمانوں کا دینی و دنیوی ترقیات میں تمام عالم پر سبقت لے جانا بیان کیا ہے۔ اس کے بعد ان کے تنزل کا حال لکھا ہے اور قوم کے لئے اپنے بے ہنر ہاتھوں سے ایک آئینہ خانہ بنایا ہے۔ جس میں آکر وہ اپنے خدوخال دیکھ سکتے ہیں کہ ہم کون تھے اور کیا ہو گئے۔[ix]

مولانا الطاف حسین حالیؔ (۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء) کی نظم شکوۂ ہند اردو کی ابتدائی قومی اور اصلاحی شاعری میں ایک اہم سنگِ میل سمجھی جاتی ہے۔ یہ نظم ۱۸۸۴ء کے قریب لکھی گئی اور مختلف رسائل میں شائع ہوئی۔ اس کا تعلق حالیؔ کے اس دور سے ہے جب مسدس حالی کے بعد وہ ہندوستانی قوم کی اخلاق اور معاشرتی بگاڑ پر سخت ترین تنقید کرنے لگے تھے۔ اس نظم کا بنیادی ڈھانچہ خطابیہ شکوے کے انداز پر قائم ہے۔ مگر شکوہ کسی فرد، گروہ یا حکومت سے نہیں

بلکہ خود ہندوستان کی جانب سے ہے جو اپنے باشندوں کے رویوں پر اعتراض کرتا ہے۔ حالیؔ نے ہندوستان کو ایک زندہ اور حساس کردار بنادیا ہے، جو کہتا ہے کہ میری تباہی کسی بیرونی قوت کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ میرے اپنے لوگوں کی غفلت، بداعمالی، باہمی دشمنی اور اخلاقی زوال کی وجہ سے ہوئی۔ وہ فرقہ وارانہ اختلافات، تعلیمی بے توجہی، اخلاقی کمزوری، سیاسی بے بصیرتی اور قومی بکھراؤ کو ایسی خرابیاں قرار دیتے ہیں جنہوں نے ملک کو کمزور کیا اور ترقی کے راستے بند کیے۔

یہ نظم صرف جذباتی مکالمہ نہیں بلکہ اخلاقی نصیحت، سماجی تجزیہ اور تہذیبی تشخیص پر زور دیتی ہے۔ اور یہی اسے حالیؔ کے دوسرے اصلاحی کاموں سے جوڑتا ہے۔ لائٹنز، آزاد اور انجمنِ پنجاب کی اصلاحی فکر نے حالیؔ کے ذہن میں جو تبدیلی پیدا کی تھی اس کا صاف اثر اس نظم کی زبان اور لہجے میں ملتا ہے۔ نظم میں نہ تصنع ہے، نہ مبالغہ آرائی دیکھنے کو ملتی ہے۔ زبان سادہ، سہل اور بامقصد ہے۔ شکوۂ ہند کا سب سے بڑا اثر یہ ہے کہ اس نے ہندوستان کے باشندوں کو پہلی بار یہ احساس دلایا کہ قوموں کی تباہی باہر سے نہیں آتی، بلکہ اندرونی ماحول اسے پیدا کرتا ہے۔ اس طرح یہ نظم اردو میں قومی شعور کی تشکیل میں ایک مضبوط دلیل بن گئی اور آج بھی اسے اخلاقی، اصلاحی اور اجتماعی خود احتسابی کی بہترین مثال سمجھا جاتا ہے۔ نظم 'شکوہ ہند' کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

پر گلا یہ ہے کہ جو کچھ اپنا ہم لائے تھے ساتھ وہ بھی تو نے ہم سے لے کر کر دیا بالکل گدا
آدمیت کے تھے جوہر جو ہماری ذات میں خاک میں آخر دیئے اسے ہند سب تو نے بلا
یاد ہو گا تجھ کو یہاں آئے تھے ہم کس شان سے
تجھ کو سوگند اپنے ست جنگ کی بتا ایمان سے [x]

سر سید احمد خان (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء) کی تحریک علی گڑھ کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات عیاں ہے کہ اس تحریک کا بنیادی مقصد مسلمانوں میں ذہنی و فکری بیداری پیدا کرنا تھا۔ سر سید نے اصلاح معاشرت کے لیے سب سے پہلے

پرانے تعلیمی نظام کو بدل کر نئے مغربی تعلیمی نظام کو اپنایا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر مسلمانان ہند مغربی جدید تعلیم اور سائنسی حقائق کی طرف راغب نہ ہوئے تو اس قوم کے لئے کامیابی کی راہ پر گامزن ہونا ناممکن ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر انہوں نے علی گڑھ تحریک کی سنگ بنیاد رکھی اور مسلمانوں کو جدید تعلیم سے روشناس کرانے کے لیے ۱۸۷۵ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج قائم کیا۔ آگے چل کر اسی کالج نے ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے ظہور پایا۔

علی گڑھ تحریک میں حالیؔ سرسید کے اس انقلابی سفر کے ایک اہم رفیق کار اور ترجمان بنے۔ سرسید اور مولانا الطاف حسین حالیؔ (۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء) نے ہندوستان کے زوال پذیر مسلم معاشرے کو بیداری کے گیت سنانے کے لیے فکری، عملی، تہذیبی اور تعلیمی سطح پر مشترکہ طور پر جدوجہد کا آغاز کیا تھا۔ سرسید نے مسلمانوں کو علمی طور پر عقلیت پسندی، سائنسی شعور اور جدید تعلیم کی اہمیت پر توجہ مرکوز کرائی۔ حالیؔ نے سرسید کے ان اقدامات کو ادبی اور منظوم جامہ پہنا کر حسن اخلاق اور سماجی بصیرت کے ساتھ آگے بڑھایا۔ اصلاح معاشرت کی اس جدوجہد میں حالیؔ اور سرسید کا تعلق کافی گہرا ہو چکا تھا۔ سرسید نے مسلم سماج کو فکری جمود سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کی جو حالیؔ کے دل کو بھا گئی۔ اس کے علاوہ سرسید اور حالیؔ نے مل کر قوم کو خرافات، بدعات اور روایت پرستی سے نکالا اور جدید دنیا کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی دعوت دی۔ حالیؔ نے سرسید کی ان کاوشوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے حیات جاوید (۱۹۰۱ء) کے نام سے سرسید کی زندگی، ادبی کارناموں اور اصلاحی اقدامات پر ایک مفصل کتاب تصنیف کی۔

چونکہ وہ دور شعر و شاعری کا تھا۔ اس لیے سرسید کو ضرورت تھی کہ شعر و ادب کے ذریعے ہی مسلمانان ہند میں یہ فکری بیداری پیدا کی جائے۔ اور اس کام کے لیے ان کے نزدیک حالیؔ سے بڑھ کر دوسرا کوئی بھی شخص مفید ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ لہذا سرسید کی درخواست پر حالیؔ نے ایک دلکش اور پر درد نظم "مسدس حالی" قلمبند کر کے مسلمانوں کی رگوں میں ایمان کی حرارت کو دوبارہ جگانے کی کوشش کی۔ حالیؔ مسلمانوں کی ابتری، زبوں حالی اور خواب غفلت کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

گھٹا سر پہ ادبار کی چھا رہی ہے فلاکت سماں اپنا دکھلا رہی ہے
نحوست پس و پیش منڈلا رہی ہے چپ و راست سے یہ صدا آ رہی ہے
کہ کل کون تھے آج کیا ہو گئے تم
ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم
پر اس قومِ غافل کی غفلت وہی ہے تنزل پہ اپنے قناعت وہی ہے
ملے خاک میں رعونت وہی ہے ہوئی صبح اور خوابِ راحت وہی ہے
نہ افسوس انہیں اپنی ذلت پہ ہے کچھ
نہ رشک اور قوموں کی عزت پہ ہے کچھ [xi]

مسدس حالی کے متعلق سر سید احمد خان کا قول کچھ یوں ہے:

بے شک میں اس کا محرک ہوا ہوں اور اس کو میں اپنے اعمال حسنہ میں سے سمجھتا ہوں کہ جب خدا پوچھے گا کہ دنیا سے کیا لایا۔ میں کہوں گا کہ حالی سے مسدس حالی لکھوا کر لایا ہوں اور کچھ نہیں۔ [xii]

مولانا الطاف حسین حالیؔ (۱۸۳۷ء - ۱۹۱۴ء) نے بر صغیر میں جس فکری بیداری کی بنیاد رکھی تھی اس کی ایک اہم کڑی انجمن پنجاب سے جڑی ہے۔ انجمن پنجاب لاہور میں واقع ایک ثقافتی تنظیم تھی جو اردو ادب میں نئے رجحانات کے فروغ کے لیے کام کر رہی تھی۔ ۱۸۶۵ء میں یہ تنظیم لاہور میں قائم ہوئی۔ یورپی مستشرق ڈاکٹر جی ڈبلیو لائٹنر کا نام بطور بانی پایا جاتا ہے۔ اس تنظیم کے ذریعے انہوں نے بر صغیر کے علمی اور ادبی شعور کی تجدید کی بنیاد رکھی۔ اس دور میں اردو ادب تصنع و بناوٹ، مبالغہ آرائی اور روایت پرستی کا گہوارہ بن چکا تھا۔ حقیقی زندگی کے مفاد کے لیے ادب میں کسی طرح کی گنجائش موجود نہیں تھی۔ انجمن پنجاب نے ان ادبی پابندیوں کو توڑ کر ادباء و عوام میں زندگی کی حقیقتوں پر مبنی ادبی فضا قائم کرنے کی کوشش کی۔ لاہور میں محفل مشاعرہ کی جگہ پہلی بار محفل مذاکرہ نے اپنے قدم جمائے۔

شاعری کہنے کے بعد واہ واہ کی صدا کی بجائے اب شاعری کی اہمیت، اس پر تنقید اور عملی زندگی میں اس سے وابستگی کے ذرائع پر بحث ہونے لگی۔

مولانا الطاف حسین حالیؔ (۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء) جب ۱۸۷۰ء کی دہائی میں لاہور آئے تو دیکھا کہ یہاں محمد حسین آزادؔ (۱۸۳۰ء-۱۹۱۰ء) کی کوششیں یہ ثابت کر رہی تھیں کہ شاعری محض لفظی کھیل نہیں بلکہ زندگی کی حقیقی تصویر اور قوم کے فکری حال کا بیان ہے۔ آزاد کی یہی سعی حالیؔ کے ذہن پر گہرا اثر چھوڑ گئی۔ انہوں نے پہلی بار محسوس کیا کہ سادگی اور حقیقت بیانی بھی شاعری کی مضبوط بنیادیں بن سکتی ہیں۔ یہی تجربات آگے چل کر حالیؔ کی اصلاحی شاعری کی بنیاد بنے۔ حالیؔ کی شہرہ آفاق نظم "مدو جزرِ اسلام" کی فکری جڑیں انہی نشستوں میں پیوست ہیں۔ انہی محفلوں نے انہیں یقین دلایا کہ شاعری قوم کو خوابِ غفلت سے جگا سکتی ہے، اس کی کمزوریوں کو آئینے کی طرح دکھا سکتی ہے اور اس میں قوم کی اجتماعی ذمہ داری کا احساس پیدا کر سکتی ہے۔ انجمنِ پنجاب نے حالیؔ کی سوچ کو وہ وسعت دی جس نے اردو ادب میں اصلاحی اور حقیقت پسندانہ رجحان کو مضبوط کیا اور دیرپا اثرات کے طور پر اس کی بنیاد فراہم کی۔

انجمن پنجاب کے ذریعہ حالیؔ نے اپنے اشعار میں حب وطن اور فطری عناصر کو پہلی مرتبہ جگہ دی۔ ان مشاعروں میں شرکت کرنے والوں میں مولانا الطاف حسین حالیؔ (۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء) اور محمد حسین آزاد (۱۸۳۰ء-۱۹۱۰ء) کے علاوہ کوئی بڑا نام نہیں ملتا۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حالیؔ نے انجمن پنجاب کے زیر اہتمام کل ۴ مشاعروں میں شرکت کی تھی۔ دہلی واپسی کے بعد بھی حالیؔ کی شاعری میں وہ رنگ و آہنگ نکھرتا چلا گیا۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے مدو جزر اسلام، چپ کی داد، مناجات بیوہ اور شکوہ ہند جیسی نظمیں تصنیف کیں۔ انجمن پنجاب کے کل دس مشاعروں میں سے حالیؔ نے جن چار مشاعروں میں ہی شرکت کی تھی انہیں اختصار کے ساتھ مندرجہ ذیل پیش کیا جاتا ہے:

نظم	تاریخ	موضوع	تعداد
برکھارت	۳۰ نئی ۱۸۷۴ء	برسات	۱۴۴ اشعار

نشاط امید	۱۳اگست ۱۹۷۴ء	امید	۸۹ بند
حب وطن	استمبر ۱۹۷۴ء	وطن کی محبت	۲۰۴اشعار
مناظرہ رحم وانصاف	۱۴نومبر ۱۸۷۴ء	رحم اور انصاف کا مناظرہ	۱۱۱اشعار

حالیؔ نے ان مشاعروں میں پیش کردہ ہر نظم میں بر صغیر کے مسلمانوں کی فکری بیداری کے لئے پیغام دیا ہے۔ مثلا مناظرہ رحم وانصاف نظم میں حالیؔ نے یہ بتانے کی کوشش کی کہ ایک انسان کے اندر رحم اور انصاف کا متوازن مقدار میں ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ حالیؔ کہتے ہیں:

رحم اور عدل سے جب عقل نے تقریر یہ کی اور دی ساتھ ہی حالی نے شہادت اس کی
رہی باقی نہ فریقین کو جائے انکار چار ناچار کیا ایک جہتی کا قرار
بڑھ کے پھر دونوں ملے ایسے کہ گویا تھے ایک
مل کے ہو جائیں جیسے کہ دو دریا ایک[xiii]

چونکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اسی لیے حالیؔ کا مقصد صرف لوگوں میں مذہبی رجحان کو فروغ دینا نہیں تھا۔ بلکہ ان کی زندگی کو سنوارنا اور تسکین کی نعمت سے آراستہ کرنا بھی تھا۔ اسلام ہمیں خواتین کی عزت کرنا سکھاتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنے گھرانے کی خواتین کی بے پناہ عزت کرتے تھے۔ ایک حدیث مبارکہ مشہور ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْجَنَّةُ تَحْتَ أَقْدَامِ الْأُمَّهَاتِ[xiv]

آسان الفاظ میں اس سے یہ مراد ہے کہ ماں کے قدموں کے تحت اولاد کی جنت واقع ہے۔ مفسرین کے قول کے مطابق اگر اولاد اپنی ماں کی خدمت کریں اور اس کی رضا حاصل کر کے وفات پائے تو اس کے لیے جنت میں جانا طے ہے۔ یعنی اس حدیث نے ماؤں یعنی عورتوں کے عزت و وقار کو عالی مقام عطا کیا ہے۔ حالیؔ جس زمانہ میں پیدا ہوئے تھے وہ دور سماجی و سیاسی انتشار اور توہم پرستی کا تھا۔ اس وقت بہنوں بیٹیوں کی حیثیت گرد و غبار سے مستثنیٰ نہیں تھی۔ مولانا حالیؔ اپنے کلام کے ذریعے ہندوستان کی عورتوں پر ہونے والی زیادتیوں کے خلاف قلم اٹھاتے ہیں۔ حالیؔ سے پہلے خواتین کی مشکلات کو موضوع بنا کر شعر و شاعری کرنا اردو ادب میں محال تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے مناجات بیوہ اور چپ کی داد جیسی نظمیں لکھ کر بڑے درد انگیز الفاظ میں ہندوستانی خواتین کی لاچاری کو بیان کیا ہے۔ ان کی مناجات بیوہ اور چپ کی داد نظمیں بالترتیب ۱۸۷۴ء اور ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئیں۔ ایک مقام پر حالیؔ عورتوں کی عزت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اے ماؤں بہنو بیٹیو! دنیا کی عزت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمہیں، قوموں کی عزت تم سے ہے
تم گھر کی ہو شہزادیاں، شہروں کی ہو آبادیاں
غمگین دلوں کی شادیاں، دکھ سکھ میں راحت تم سے ہے [xv]

حتیٰ کہ بیوہ عورتوں کے رنج و غم کا بیان کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

میں لونڈی تیری دکھیاری دروازے کی تیری بھکاری
بات سے نفرت کام سے وحشت ٹوٹی آس اور بھی طبیعت
دن بھیانک رات ڈراؤنی یوں گزری ساری یہ جوانی [xvi]

انیسویں صدی میں ہندوستانی مسلم خواتین میں شدید پسماندگی، علمی بحران اور جہالت کا عنصر غالب آ چکا تھا۔ دوسری طرف وہ بے جا رسومات، توہمات اور معاشرتی پابندیوں کے بندھن میں مقید ہو چکی تھیں۔ سر سید اور ان کے رفقاء نے تعلیم نسواں کو مسلم سماج کی ترقی کے لیے لازمی قرار دیا۔ اور سر سید کی ترغیب سے حالیؔ نے مجالس النساء کے نام سے ایک مؤثر اصلاحی رسالہ شائع کر دیا۔

مجالس النساء کہانی کی صورت میں لکھی گئی حالیؔ کا ایک مشہور اخلاقی اور اصلاحی رسالہ ہے جو دو حصوں میں شائع ہوئی تھی۔ یہ رسالہ ۱۸۷۴ء میں لاہور سے شائع کیا گیا تھا جس کی بدولت حالیؔ کو چار سو روپے کا انعام ملا۔ مجالس النساء کو مولانا الطاف حسین حالیؔ (۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء) کی اصلاحی نثری تصنیفوں میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ جس میں انہوں نے مکالماتی صورت میں خواتین کی تعلیم و تربیت اور ذہنی بیداری کے پہلو پر زور دیا تاکہ ان میں اخلاقی بلندی و پائیداری کی تلقین کی جا سکے۔ اس کی زبان میں نہایت سادگی، سلاست اور روزمرہ کے مکالمات شامل ہیں۔ حالیؔ نے اس کتاب میں شریف گھرانے کے ہندوستانی مسلم و غیر مسلم ہر طبقہ کی عورتوں کی زبان کو یکساں اہمیت دی ہے۔ عورتوں کے لئے یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوئی۔۔ اس کتاب کے بارے میں منشی دیانرائن نگم فرماتے ہیں:

اس وقت کے ڈائرکٹر سر رشتہ تعلیم کو یہ کتاب اس قدر پسند آئی کہ انھوں نے لارڈ ناتھ بروک گورنر جنرل ہند سے سفارش کر کے مولانا حالی کو اس تصنیف کے صلے میں چار سو روپے کا انعام دلایا اور پنجاب میں لڑکیوں کے مدرسوں میں یہ کتاب مدتوں پڑھائی جاتی رہی۔[xvii]

ہندوستان میں جدید تعلیم کی اشاعت و فروغ میں بھی مولانا الطاف حسین حالیؔ (۱۸۳۷ء - ۱۹۱۴ء) کا نام سر فہرست ہے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر یہاں کے مسلمان مغربی جدید اور سائنسی تعلیم پر عبور حاصل نہ کر سکیں تو آگے چل کر انہیں ہندوؤں اور یورپی اقوام سے سخت شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ انہوں نے سر سید احمد خان (۱۸۱۷ء-

۱۸۱۹۸ء)کا ساتھ دے کر علی گڑھ تحریک کو بھی اشاروں کنایوں میں فروغ دیا۔ خاص طور پر اپنے ادبی کارناموں کے ذریعے جدید طرز تحریر کو سماج میں رواج دیا۔ جدید تعلیم کے معاملے میں سر سید سے وہ بے حد متاثر تھے۔ مزید یہ کہ ان کی فرمائش پر انہوں نے اپنا لازوال کارنامہ مسدس سے حالیؔ تصنیف کی تھی۔ حالیؔ سے پہلے اردو شعر و ادب میں تنقید اور سوانح عمریاں لکھنے کا رواج نہ تھا۔ لیکن انہوں نے مقدمہ شعر و شاعری، یادگار غالب، حیات جاوید اور حیات سعدی جیسی کتابوں کی تصنیف کر کے اردو علوم و فنون میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ انہوں نے اپنے کلام میں نیچرل مضامین کی طرف بے حد توجہ دی۔ انسانیت اور حب وطن جیسے موضوعات سے عوام کو روشناس کرایا۔ اپنے کلام کے ذریعہ انہوں نے نوجوانوں میں حب الوطنی کے جذبے کو فروغ دیا۔ ان کی مثنوی حب وطن کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نام ہے کیا اسی کا حب وطن جس کی تجھ کو لگی ہوئی ہے لگن
کبھی بچوں کا دھیان آتا ہے کبھی یاروں کا غم ستاتا ہے
کیا وطن کی یہی محبت ہے یہ بھی الفت میں کوئی الفت ہے
اس میں انساں سے کم نہیں ہیں درند اس سے خالی نہیں چرند و پرند [xviii]

اگرچہ شاعری کے ابتدائی دور میں حالیؔ نے غزل گوئی کی طرف توجہ مرکوز کی تھی۔ لیکن جیسے جیسے ان میں شعور بیدار ہوتا گیا وہ نظموں کی طرف راغب ہونے لگے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ پرانی طرز کی غزلیں صرف ہمارے لیے تفریح طبع کا سامان مہیا کرتی ہے۔ جبکہ جدید شاعری اور اس طرز کی نظمیں ہمیں ایک موضوعاتی پہلو عطا کرتی ہے۔ حالیؔ سے پہلے اردو شعر و ادب خصوصاً غزل کا محور محض حسن و عشق تھا۔ لیکن حالی کے زور قلم سے اس سلف میں ایک انقلاب برپا ہوا۔ انہوں نے غزل میں حسن و عشق کے ساتھ ساتھ بڑے پیمانے پر عوام کے دکھ درد، خواتین کی لاچاری، غریبوں کی آہ و پکار، سماج کے فلاح و بہبود کے ذرائع اور اخلاقیات پر قلم اٹھایا۔ مغربی طرز کی تقلید میں آزاد

نظم کا رواج کیا۔ اردو ادب جو کہ صدیوں سے ادب برائے ادب کی زنجیر میں بندھا تھا۔ اسے ہماری زندگی میں کارآمد کرانے کے لیے اپنے کلام میں ان تمام پہلوؤں کو اجاگر کیا جس سے ادب برائے زندگی طرز کو فروغ ملے۔ ڈاکٹر شجاعت علی کے قول کے مطابق:

وہ نیک نیتی کے ساتھ اس نظریہ پر یقین رکھتے تھے کہ اردو شاعری کو زمانہ کا ساتھ دینا چاہئے۔ اسے صداقت، خلوص اور سادگی سے قریب تر ہونا چاہئے اور جھوٹ، مبالغہ، غلو، لفظی شعبدہ بازی اور تصنع و تکلف سے دور ہونا چاہیے ۔ غرض اس کا تعلق انسانی زندگی سے قریب اور مستحکم ہونا چاہئے۔[xix]

حالیؔ کے دل میں ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بے پناہ عقیدت اور محبت تھی۔ انہوں نے مختلف جگہوں میں خاتم النبیین کے لئے نعت گوئی کی۔ مسدس حالی میں لکھی گئی ان کی نعت سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنیوالا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ یتیموں کا والی، غلاموں کا مولا[xx]

صرف شاعری کے میدان میں ہی نہیں حالیؔ کے نثری کارناموں نے بھی اردو ادب میں جدت طرازی کی ہیت کو فروغ دیا۔ تریاق مسموم، مجالس النساء، حیات سعدی ، مقدمہ شعر و شاعری، یادگار غالب، حیات جاوید، مقالات حالی ، عربی کا رسالہ مولود شریف، تاریخ محمودی پر منصفانہ رائے ، شواہد الالھام، تذکرہ رحمانیہ، طبقات الارض، اصول فارسی ، مضامین حالی، مکتوبات حالی اور مکاتیب حالی وغیرہ کتابوں کا شمار حالیؔ کے نثری کارناموں میں ہوتا ہے۔ مقدمہ شعر و شاعری میں انہوں نے شاعری کے اصولوں اور ضوابط پر بحث کی ہے۔ چاہے نثر ہو یا نظم حالیؔ

کو زبان دانی پر مہارت حاصل تھی۔ مہاتما گاندھی خود حالیؔ کے انداز بیان سے متاثر نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

اگر ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں کے لیے ایک ہی زبان کا درجہ دیا جائے تو وہ زبان حالی کی مناجات بیوہ کی زبان ہو گی۔[xxi]

حالیؔ تشدد کے حامی نہیں تھے۔ بلکہ انکے نزدیک تمام مذاہب امن کا درس دیتی ہیں۔ خاص طور پر ہمارے پیارے نبی ﷺ نے ہمیں دوسرے مذاہب کے لوگوں سے عزت سے پیش آنے کا حکم دیا۔ حالیؔ بھی تمام مذاہب کے درمیان ایک دوستانہ تعلق کے قائل تھے۔ جس کے اشارے ان کے خطوط میں بھی ملتے ہیں۔ حالیؔ نے ایک دفعہ رسالہ 'العصر' (لکھنؤ) کے ایڈیٹر پیارے لال شاکر میرٹھی کو مخاطب کرتے ہوئے ۱۸ جون ۱۹۱۳ کو ایک خط لکھا تھا۔ اس خط میں وہ کہتے ہیں:

میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ شاید کوئی اس بات کا آرزو مند نہ ہو گا کہ ہندوستان کے ہندو و مسلمان اور مسیحی سب ایک دوسرے کے ایسے دوست ہوں جیسے ایک سگا بھائی دوسرے سگے بھائی کا دوست ہوتا ہے۔ مگر میرے نزدیک ایسی حالت ایک صدی سے دور ہندوستان میں پیدا نہیں ہو سکتی۔[xxii]

مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اٹھارہویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں امت مسلمہ کی فکری بیداری میں جن ادیبوں نے سرگرم کردار ادا کیا تھا ان میں مولانا الطاف حسین حالیؔ (۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء) امتیازی شہرت کے حامل ہیں۔ انہوں نے اپنی نظم و نثر سے ادب برائے زندگی طرز کو فروغ دیا۔ مقدمہ شعر و شاعری لکھ کر شاعری کے اصول اور ضابطے بنائے اور ساتھ ہی اردو تنقید میں ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ سر سید، غالب اور سعدی پر سوانح حیات لکھ کر اردو نثری ادب کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ جدید شاعری لکھ کر نیچرل مضامین کو اردو میں متعارف کرایا۔ مسدس حالی کے ذریعے اسلام کے عروج و زوال کی داستان پیش کی۔ اپنے کلام کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کا اظہار کیا۔ ہندوستان کی خواتین کی زندگی کی مشکلوں کو ہمارے سامنے اجاگر کیا۔

انسانیت کے موضوع پر لکھنے لگے۔ اردو غزلوں کی روایتی حسن و عشق کو ترک کر کے موضوعاتی نظموں کو فروغ دیا۔ اور ناصحانہ مضامین لکھ کر ہندوستان کے نوجوانوں کو نئی امید کی کرن دکھائی۔ اور یوں ان کی عمر بھر کی کوششوں نے لاکھوں ہندوستانیوں کو بیدار کر دیا۔ اور اس شعوری بیداری نے آگے چل کر ہندوستان کو انگریزوں کے دامنِ قید سے آزاد کرایا۔ لیکن مسلمانوں میں جس قدر اخلاقی عروج کی ضرورت تھی وہ آج بھی ناپید ہے۔ اسی لیے حالیؔ افسوس کے ساتھ فرماتے ہیں:

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مدّ ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے![xxiii]

حوالہ جات:

[i] الطاف حسین حالی، مضمون زمانہ، مضامین حالی، ادارہ ادبیات اردو، پنجاب، بھارت، سنہ ۱۸۱۸ء, ص ۱۳

[ii] رام بابو سکسینہ، تاریخ اردو ادب، منشی نول کی شور پریس، لکھنؤ، بھارت، سنہ ۱۹۲۹ء، ص ۴۰۵

[iii] رام بابو سکسینہ، تذکرہ بالا، ص ۴۰۴

[iv] مولوی عبد الحق، چند ہم عصر، انجمن ترقی اردو، پاکستان، سنہ ۱۹۵۰ء، ص ۱۶۱

[v] ڈاکٹر فرمان فتح پوری، اردو کی نعتیہ شاعری، حلقۂ نیاز و نگار، کراچی، پاکستان، ۱۹۷۴، ص ۱۳

[vi] خواجہ الطاف حسین حالی، مقالات حالی (حصہ اول)، جمال پرنٹنگ پریس، نئی دہلی، بھارت، سنہ ۱۹۸۲ء، ص ۲۶۴

[vii] خواجہ الطاف حسین حالی، مسدس حالی، خدا بخش لائبریری، پٹنہ، بھارت، سنہ ۱۹۹۵، ص ۳۰

[viii] پروفیسر نظیر صدیقی، علم بلاغت اور علم عروض، پاک کتاب گھر، ڈھاکہ، بنگلہ دیش، ۱۹۶۴، ص ۵۰

[ix] الطاف حسین حالی، مسدس حالی، خدا بخش لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۵ص ۷

[x] خواجہ الطاف حسین حالی، شکوہ ہند، مطبع روز بازار، امر تسر، بھارت، سنہ ۱۹۸۸، ص ۳

[xi] خواجہ الطاف حسین حالی، مسدس حالی، خدا بخش لائبریری، پٹنہ، بھارت، سنہ ۱۹۹۵، ص ۱۴

[xii] HaaliMusaddas/wikipedia.org. ur

[xiii] خواجہ الطاف حسین حالی، مجموعہ نظم حالی، ایجوکیشنل بک ہاؤس،، علی گڑھ، بھارت، سنہ ۱۹۹۸، ص ۶۸

[xiv] مسند الشهاب القضاعي ط مؤسسة الرسالة- بيروت: ۱/ ۱۰۲ (رقم الحديث: ۱۱۹

[xv] خواجہ الطاف حسین حالی، چپے کی داد، حالی بک ڈپو، پانی پت، ڈھاکہ، سنہ ۱۹۳۷، ص ۲

[xvi] خواجہ الطاف حسین حالی، مناجات بیوہ، مثنویات حالی، ناشر: شیخ مبارک علی، تاجر کتب، لاہور، پاکستان ۱۹۶۶ء ص ۱۵۸

[xvii] خواجہ الطاف حسین حالی، مجالس النساء، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی، سنہ ۲۰۱۲ء، ص ۶

[xviii] خواجہ الطاف حسین حالی، مثنویات حالی، ناشر: شیخ مبارک علی، تاجر کتب، لاہور، پاکستان، ۱۹۶۶، ص ۱۲۴

[xix] ڈاکٹر شجاعت علی، حالی بحیثیت شاعر، ادارہ فروغ ادب، لکھنو، بھارت، ۱۹۷۱ء ص ۱۵۸

[xx] خواجہ الطاف حسین حالی، مدس حالی، خدا بخش لائبریری، پٹنہ، لاہور، سنہ ۱۹۹۵، ص ۹۵

[xxi] ڈاکٹر محمد عبداللہ، مسلم جاگرنے کیک جن کوی ساہتیک (اسلامی بیداری میں متعدد ادباء و شعراء)، اسلامک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۰، ڈھاکہ، بنگلہ دیش، ص ۱۲۲

[xxii] خواجہ الطاف حسین حالی، مکاتیب حالی، آل انڈیا اردو مرکز، لکھنؤ، بھارت، ۱۹۵۰، ص ۱۱۰

[xxiii] خواجہ الطاف حسین حالی، مدس حالی، خدا بخش لائبریری، پٹنہ، لاہور، سنہ ۱۹۹۵، ص ۱۳

***